مرتد اُبامہ کا افغانی پنجرہ

از: شیخ ڈاکٹر عبد القادر الصوفی

انسانیت پرستی پر مبنی نظریہ حقوقِ انسانی یعنی بے بنیاد الحادیت نے قوتِ ربانی کا انکار کر کے بنی نوعِ انساں کو غلامی و محکومی کے دام ہمرنگ زمیں میں پھنسانے کا بڑا شاطرانہ بہانہ رچ لیا ہے۔ خواہ وہ فردِ واحد ہو یا معاشرہ، ایک گروہ ہو یا کوئی طبقہ، ایک ریاست ہو یا کوئی نسل خواہ کوئی عامیانہ قوتِ ارادی ہی کیوں نہ ہو اس نے ہر کسی کو آزادی اور بے باکی پر خواہی نخواہی مجبور کر رکھا ہے۔

نظریہ حقوقِ انسانی دراصل انسان کے وضع کردہ اصول و قواعد پر مبنی حکومت سازی اور آئین سازی کا فطری خاتمہ ہے۔ انسان کی اپنی مرضی کے مطابق قانون سازی کا فریب، طاقت کے حصول کی تدبیر و رغبت، اور تصمیم برائے تصمیم کا میدانِ ٹکنالوجی اپنی مرکزی اور جابرانہ اور مکمل انکار پر مبنی نظام اپنے نقطہ انتہا پر پہنچ رہا ہے۔

جرمن فلسفی اور شاعر فریڈرک نیٹشے کے نظریے کے مطابق طاقت کا حصول حکم الٰہی کے انکار پر مبنی ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعہ مجموعی طور پر احاطہ پذیر انسانی فکر و تدبیر میں منتقلی ہو جاتی ہے جہاں پر دنیائے ٹکنالوجی کا وجود امر لابدی ہے۔ اور یہیں سے ہر چیز کے لامحدود استحصال کا موڑ شروع ہو جاتا ہے، اور سیاست اور دیگر تمام ادارے اسی ٹکنالوجی کی لازمی شاخین بن جاتی ہیں۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ ٹکنالوجی کے بل بوتے پر وہ خود اپنی تقدیر سازی کر سکتا ہے؛ حالاں کہ یہ ایک کھلا ہوا فریب اور اس کی ناکامی کی بین دلیل ہے؛ کیوں کہ ٹکنالوجی منطقی اور طبعی طور پر انسانی دسترس سے بالاتر ہے۔ سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اداروں کی وساطت سے عالمی طور پر پیداوار اور استعمال نے نہ صرف انسان بلکہ خود کرۂ ارض کو بھی ٹکنالوجی کے میدان میں محض توانائی کا ایک وسیلہ بنا رکھا ہے۔

انسان کو غلامی کے طوق سے آشنا کرنے والے طریقہ کار کے بیان سے لرز اٹھنے والی تاریخ اب ایک ایسے نظریہ کا روپ اختیار کر چکی ہے جس کے علاوہ کوئی اور مقصدِ حیات کی تعبیر و تشریح کا مجاز نہیں،

نسل کشی کے لیے استعمال کردہ لفظ دراصل مخصوص انسانی نسل کی بیخ کنی کے تعارف کی خاطر وضع کیا گیاہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعریف کا اس کے عملی وقوع سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے شکار شدہ حضرات آج بھی کرۂ ارضی پر موجود ہیں۔ آپ دیکھیں کہ دنیا میں یہودی اور آرمینیای آج بھی کروڑوں کے حساب سے پائے جاتے ہیں۔ تاریخی پس منظر سے دستور سازی کی طرف نسل کشی کے ناکام عمل کا انتقال، تاریخ (عملی وقوعہ) کے انکار اور ایک مخصوص نقطہ نظر کی غمازی کرتاہے، نیز اس سے جابرانہ نظام کی پرورش وپرداخت اور حکومتی ٹولہ کے لازمی نقطہ نظر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

آتش جنگ کو بھڑکائے رکھنا اس لیے ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس اعلان کا موقع فراہم کیا جاسکے کہ آزادی اور امن' انسانیت کا مقدر تو ہوسکتی ہیں مگر یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

چوں کہ اقتصادی فلسفہ نے قومی ریاست کے نظریہ کا خاتمہ کردیا ہے لہٰذا ایک ایسی جنگ کا آغاز ضروری ہے جو (۱) کبھی ختم ہونے والی نہ ہو اور (۲) غالب قوتیں اس کی تعبیر 'امن وشانتی سے کریں۔

اس طرح دہشت گردی نے لاقانونیت کے دائرے سے نکل کر دستور سازی کا رخ اختیار کرلیاہے۔ اب اس کی خاطر ماہرین، پروفیسر اور نقادوادیب دستیاب ہیں۔

دہشت گردی کی حقیقت آج نہ صرف جزوی طور پر امن، آزادی اور خوشی کو موخر کرنا ہے بلکہ ٹکنالوجی کی عالمی بربادی کے میدان کی بنفس نفیس پیداوار ہے۔ اور اس کا اصول یہ ہے کہ جس نے یہ عملاً کرکے دکھایا سارے منافع اس کے ہیں۔

ہائی ڈیگر نے نازی پارٹی کو ۱۹۳۵ء میں اس وقت خیر آباد کہہ دیا جب آریانِ بالا اور یہودیانِ زیریں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا؛ کیوں کہ دونوں اپنی اپنی درندہ پنی پر اتر چکے تھے۔ اس نے تین جدید الحادی نظریات نازی ازم، مارکسزم، اور امریکنزم کا تعارف کرایا جو اپنی ساخت کے لحاظ سے تو مختلف لیکن اپنے منطقی نتیجے کے اعتبار سے یکساں تھے۔ جن میں ذات اور شخصیت پر عوام کی آمریت، طبعی سائنس، اقتصاد، سیاست اور ٹکنالوجی کو بالادستی حاصل تھی۔ بالفاظِ دیگر دستوری روپ اوڑھنے والے نظریہ بربادی کے وسیلے سے دیگر انسانوں اور فطرت کا بے انتہا استحصال ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ میں گوروں کے ساتھ کالوں کے گھل مل جانے کا عمل خاصا قدیم

ہے اور اس نئی صدی کی پہلی دہائی میں ابھی کالے پن کا مکمل طور پر خوبصورت بھورے پن میں امتزاج بھی نہیں ہو پایا ہے، نیز نواہان اور الگونقوین جیسی عظیم مخلص قوموں کی اب تک قیدی کیمپوں میں موجودگی کے باوجود یہ ریاست اپنے دستور اور طریقہ حیات پر نازاں ہے؛ حالاں کہ اسرائیل کی کل آبادی امریکہ کے قیدیوں کی تعداد سے بھی بہت کم ہے، اور شاید ہی دنیا کے کسی خطے میں اتنے قیدی پائے جاتے ہوں۔ یوں ہی امریکہ اپنی حدود سے باہر دنیا کے ایک اور بڑے جیل پر فخر کرتا ہے جہاں پر ریڈ کراس، علمبر دارانِ انسانی حقوق، ملک کے عدلیہ اور دنیاے صحافت کی کوئی رسائی نہیں ہے اور وہ ہے بدنام زمانہ قید خانہ بگرام جو افغانستان کے شہر کابل میں واقع ہے۔

بگرام کے قیدیوں کو برفیلے پانی میں غوطے دیے جاتے ہیں۔

ایک ہی بند کمرے میں بیس سے زیادہ قیدی رکھے جاتے ہیں۔

اور اتنے سارے قیدیوں کے لیے صرف ایک ہی بیت الخلا ہے۔

۲۰۰۲ء میں دلاور نامی ایک قیدی چار دن تک ہوا میں لٹکائے لٹکائے مر گیا جب کہ اس کے خلاف کسی فردِ جرم کا ثبوت نہ مل سکا۔ پسِ مرگ جثہ کے معاینہ سے پتہ چلا کہ خون رک جانے اور تشدد و جارحیت کے باعث اس کے پاؤں کی جسامت دگنی ہو گی تھی۔

حاجی گل رحمن ۲۰۰۶ء میں اس لیے گرفتار کیے گئے کہ ان کی گاڑی سے کلاشنکوف برآمد ہوا تھا۔ اور وہ ابھی تک بگرام جیل میں پابند سلاسل ہیں۔

کابل شہر کے شمال مغرب میں واقع امریکی فوجی کیمپ میں موجود بگرام جیل کسی بھی نقشے میں نظر نہیں آتا۔

گوانتانامہ جیل کے برعکس کسی بھی صحافی کو اس کے سیمنٹ کے بنے ہوے اصطبل میں داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی بھی بیرونی معاینہ کار، اور ریڈ کراس کے کارکن کو جیل کے اُس مخصوص مقام پر جانے کی اجازت نہیں جہاں پر انتہا درجے کے خطرناک قیدیوں سے تفتیش ہوتی ہے۔

قیدی اس کو "کالا گھاٹ" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے اندر سیمنٹ کے بنے ہوے کمروں میں ہوا کا کوئی گزر نہیں۔

شب و روز ان کو چکاچوند روشنی میں رکھا جاتا ہے تاکہ کسی لمحہ وہ چین کا سانس نہ لے سکیں۔

گزشتہ اگست میں امریکی حکومت نے ایک فرمان جاری کیا کہ وہاں پر دو ہفتے مکمل تنہائی والے قید کی اجازت دی جائے گی۔

نئے صدر کے انتخاب کے بعد امریکی وزارت عدلیہ نے اعلان کیا کہ گوانتانامہ جیل کے برعکس اس جیل میں کسی بھی قیدی کو سول عدالت سے رجوع کرنے یا کسی بھی وکیل سے ملاقات پر پابندی ہے۔

ایک سینیٹر نے بر سر عام اعلان کیا کہ گوانتانامہ کو بند کر کے ہم بگرام کو کھول دیتے ہیں۔

ایک فوجی ترجمان اسٹیفن کالٹر کے مطابق آج کے دن تک بگرام میں قیدی موجود ہیں جن میں ۳۰ غیر افغانی اور ۵ نابالغ نوجوان ہیں۔

صدر افغانستان قرضائی کے احتجاج کے بعد ایک افغانی قاضی کو قیدیوں کی فائل کا معاینہ کرنے کی اجازت دی گی۔

قاضی سید شریف معاینۂ بگرام کے دوران اس سے چڑیا گھر جیسی بدبو محسوس کر کے ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور انھوں نے اپنے دلی رنج کا اظہار کیا۔

۶۰۰ مقدمات میں سے جن کی انھیں معاینہ کرنے کی اجازت ملی ان میں سے ۲۰۰ قیدیوں کو انھوں نے بری قرار دیا؛ کیوں کہ وہ عدالتی سہو کی بنیاد پر قید کیے گے تھے۔

امریکی فوجیوں کی بڑھتی ہوی تعداد بگرام کے قیدیوں کی تعداد میں کافی حد تک اضافے کا سبب بنی ہے۔

بغیر کسی فرد جرم بگرام کے جیل میں موجود قیدی جب بھی آزاد ہوں گے وہ ضرور اس زیادتی کا بدلہ لیں گے۔ دہشت پر مبنی جنگ کے دوام، امن وجمہوریت کو خیر آباد کہنے، اور ریاستی سطح پر بربادی کے تصور والے بند نظام کو جاری رکھنے کے لیے یہ ایک بہترین حربہ ہے، جسے امریکہ اور یورپ افغانستان میں اور چین' ایغورستان کے اندر چلا رہا ہے۔ ایسے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے بگرام کا بدنام زمانہ جیل پیداواری فیکٹری کا کام دے رہا ہے۔

اخلاق و کردار کے موجودہ عالمی زوال وانحطاط کے بالمقابل مستقبل میں یقینا دین اسلام کا بول بالا ہونے والا ہے جہاں پر صرف اور صرف اللہ رب العالمین اور خدائے ارحم الراحمین کی اطاعت وبندگی اور عبادت وریاضت کا ولولہ وغلغلہ ہو گا۔